اس دیوان میں درج ذیل موضوعات پائے جاتے ہیں۔

(۱) اس میں بے پناہ جذبہ محبت و احساس الفت ہے۔ جیسا کہ "الجندول" اور "القمر العاشق" میں ہم نے دیکھا، ان کے علاوہ بیشتر قصائد میں بھی یہ چیز ملے گی۔

(۲) وہ کبھی زندگی کی آسائشوں میں گم اور کبھی بیزار نظر آتا ہے۔

وقد قالوا: شذون مغرب　　وابا حية لاه لا ينيق

آه لو يدرون ما يضطرب　　بين جنبيك من الحزن العميق (۱)

(۳) اس کے یہاں فطرت سے متعلق بہت سے اشعار ملتے ہیں۔ فطرت کے عجائبات کی طرف اس نے خصوصی توجہ دی۔ اسے موسم گرما سے بڑا عشق ہے۔ وہ "مصرع الدیان" میں کہتا ہے۔

ياعاشق البحر حدث من مفاتنه　　كم في لياليه للعاشق اسمار

ماليلة للصيف فيه ما روايتها　　فالصيف خمر والحان و اشعار

اذا النسائم منا فاتمه انحدرت　　وضوات من كوى الظلماء أنوار (۲)

(۴) اس دیوان میں معاشرے اور انسانیت سے بھی بحث کی۔ جیسا کہ ہم نے قصیدہ "الوسيقة العمياء" میں دیکھا۔

(۵) اس نے فطرت کے حسین مناظر اور عورتوں کے خصائص پر روشنی ڈالتے ہوئے اپنے فن کو بالائے طاق نہیں رکھا۔ اکثر ان موضوعات پر اظہار خیال کرتے ہوئے شاعر فن شاعری کو بھول جاتا ہے۔ اس طرح شعریت برقرار نہیں رہ پاتی۔ ان موضوعات میں بھی اس کے یہاں شعریت موجود ہے۔ جیسا کہ وہ قصیدہ "بی" میں کہتا ہے۔

لقد دنس الجسد الهارى　　حياة حرصت على طهرها

بكى الفن فيك على شاعر　　تسائمله الروح عن ثارها

نزلت بها فهدأة كم خبا　　شعاع وغيب في قبرها (۳)

---

(۱) علی محمود طٰہٰ شعر و دراسۃ ص: ۳۴۶

(۲) ایضاً ص: ۲۴۴

(۳) علی محمود طٰہٰ شعر و دراسۃ ص: ۳۱۸

اس دیوان ۔۔۔ کہیں کہیں پڑھنے سے مایوسی کا احساس ہوتا ہے لیکن اس کی تعیش پسندی اسے پس پشت ڈال دیتی ہے

تسامعت من لغة الكاتبين ۔۔۔ وردعة كل قصير ۔۔ خطر

سرى شاعر فى زويا الحياة ۔۔۔ دعته مباهجها فاعتسر

اكب على كاسه و انتحى ۔۔۔ صدى الليل فى اللحظات الاخر

دناحيث ترقب احلامه ۔۔۔ خيالك فى الموعد المنتظر (۱)

(۳) "ارواح و اشباح" کے نام سے ایک قصیدہ ۱۹۴۲ء میں منظر عام پر آیا۔ یہ قصیدہ زیادہ تر ان شخصیات پر مبنی ہے جو یونانی داستانوں میں مذکور ہیں اس میں تقریباً ۴۰۰ سو اشعار ہیں۔ پہلی بار ۱۹۴۲ء میں اور دوبارہ ۱۹۴۵ء میں شائع ہوا۔ اس پر استاذ توفیق السلہ ادنے ایک شاندار مقدمہ لکھا، یہ قصیدہ عظیم شاعری کا ایک نمونہ ہے۔ کیونکہ یہ یونانی روایات اور تورات کے قصوں پر مشتمل ہے۔ پہلی اشاعت کے موقع پر مولف نے ان شخصیات کا تعارف بھی کرایا۔ اس نے ایک لمبا قصیدہ "سا تو" سے متعلق کہا، اور "تائیس" کے متعلق بتایا کہ اس کا دل محبت سے دھڑکتا رہتا ہے اور "بیلتیس" لوگوں سے محبت کرتا ہے اور "ہرمیس" فصاحت و تجارت کا خدا ہے۔ اس نے ان واقعات کو صحیح طریقہ سے منظوم نہیں کیا۔ (۲)

اس دیوان میں ایک کہنہ مشق شاعر کی حیثیت سے سامنے آیا۔ اس کے مطالعہ سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ اسے عورت اور مناظر فطرت سے غیر معمولی لگاؤ ہے۔ اس نے عورتوں اور مردوں کو بھی موضوع بحث بنایا۔ عورت کی عظمت پر روشنی ڈالی اس سے محبت کیا اسے قوت داقعہ قرار دیا۔ اس کا خیال ہے کہ کہ ایک عورت مرد کی توجہ کا مرکز بننا پسند کرتی ہے۔

یہ دیوان درج ذیل خصوصیات پر مشتمل ہے۔

(۱) علی محمود طہٰ کو اپنے فن پر ناز ہے۔ اس کا خیال ہے کہ شاعر کے ساتھ خدا کا ایلچی "ہرمیس" ہوتا ہے انھیں تمام چیزوں پر قصیدہ "تبلی" میں اظہار خیال کیا ہے۔ جو "الملاح التائہ" میں ہے

---

(۱) لیالی الملاح التائہ ص ۸۱ بحوالہ علی محمود طہٰ حیاتہ و شعرہ ص ۱۰۹۔

(۲) اعلام النثر فی العصر العربی الحدیث ۳/ ۱۱۸۔

ثم موزوع جیل لاهاب بنیل الریاح جناحی ملك
فذلك و هو مسیس یسری به سری النور فی سحات الفلك(۱)

(۲) قصیدہ "المیۃ الثالثہ" پورا کا پورا مرد و عورت پر مبنی ہے۔ اس کا فن پر بڑا گہرا اثر ہے۔ اس میں وہی چیز ملتی ہیں جو قصیدہ "ہی" میں یہ قصیدہ "لیالی الملاح التائہ" میں ہے۔

عجبت من آملك العابر ومن ذلك الشبح الطائر
الا علینا فما سلمنا ولا صافح الناظر الناظر(۲)

(۳) عورت کو جہاں اس نے قوت دافعہ قرار دیا، وہیں اس نے اس سے بے پناہ محبت بھی کی۔ اس نے عورت کو اپنی شاعری اور اپنی ذات کا منبع تصور کیا ہر آن اس کی محبت اور رضا کا طلبگار رہے ویلسنے ہمیشہ عورت سے محبت کی ہے۔ قصیدہ "حوا" میں گویا ہے۔

أ ابغض حواء وهی التی عرفت الحنان بها والرضی
فباع بها آدم خلده ولولم تكن لتمتی القضاء
ورثت هواها فرحت الحیاۃ وخبب الی العالم المبغضا(۳)

(۴) ایک عورت مرد کے باب میں کیا احساسات رکھتی ہے اور وہ اس کے کن صفات کو پسند کرتی ہے، اس کے متعلق علی محمود طٰہٰ کا خیال ہے کہ عورت ایک حسین وجمیل مرد کو چاہتی ہے اور اس کے حسن و جمال کی پرستش کرتی ہے۔ عورت ہی کے الفاظ میں قصیدہ "الرجل" میں کہتا ہے۔

تصورته من احادیثه فتی وسامته یؤثر(۴)

(۵) "اغنیۃ الریاح الاربع" ۱۹۴۳ء میں منظر عام پر آیا۔ یہ ان فرعونی گانوں پر مشتمل ہے جن پر "مدرستون" نے ۱۹۴۲ء میں روشنی ڈالی۔ اس نے تو انہیں فرانسیسی زبان میں قلم بند کیا تھا لیکن علی محمود طٰہٰ

---

(۱) ارواح وشباح ص ۴۴ بحوالہ علی محمود طٰہٰ حیاته وشعره ص ۱۱۰
(۲) ایضاً ص ۴۴ بحوالہ ایضاً ص ۱۱۳
(۳) علی محمود طٰہٰ حیاته وشعره ص ۱۰۰
(۴) علی محمود طٰہٰ حیاته وشعره ص ۱۰۰

نے اپنی کوششوں سے انہیں عربی شاعری کا جامہ پہنا دیا۔ ان میں بے پناہ موسیقی ہے۔ اور انہیں رمزیہ انداز میں پیش کیا ہے۔ ان میں مختلف لوگوں کی شخصیات پر اظہار خیال کیا گیا ہے۔ انھیں مکمل ڈرامائی صورت نہیں دے سکا۔ کیونکہ وہ ایک غنائی شاعر ہے ڈرامائی شاعر نہیں۔ کثرت غناء کے سبب اس کے اشعار تمثیل نگاری کے لئے موزوں نہیں ہو سکتے۔ (۱)

(۵) "زہر و خمر"۔ یہ دیوان ۱۹۴۳ء میں منظر عام پر آیا۔ اپنی زندگی کے واقعات کو اس میں قلمبند کیا ہے۔ اور اپنی رنگ رلیوں پر روشنی ڈالی ہے۔ اس میں "کیلو باترا" ایک شاندار قصیدہ ہے جس میں الفاظ کی شان و شوکت تو ضرور ہے لیکن فکر و گہرائی سے خالی ہے ٹھیک یہی حال "کیلو باترا" کا بھی ہے۔ جس میں کوئی عمق نہیں۔ البتہ جب کوئی موسیقار اسے گاتا ہے تو سامعین وجد میں آجاتے ہیں۔ (۲)

"حانۃ الشعراء" بھی اس میں ایک اہم قصیدہ ہے جس کے چند اشعار پیش کئے جا رہے ہیں۔

فی حانة شتی عجائبها	معروشة بالزهر والقصب
فی ظلة باتت تداعبها	أنفاس لیل مقمر السحب
وزهت بمصباح جوانبها	صافی الزجاجة راقص اللهب (۳)

قصیدہ "قادة الی قادة" بھی ایک اہم قصیدہ ہے اس میں اس نے اندلس سے فاتح طارق بن زیاد کی عظیم کامیابی اور اس کی فاتحانہ جدوجہد کی عکاسی کی ہے۔ (۴)

اس دیوان میں کوئی جدید چیز نہیں ملتی۔ اس میں اس نے اپنے عیش و آرام کو بیان کیا۔ اس میں آزادی نسواں کی طرف بھی اشارہ موجود ہے۔ یہ چیز اس کے "حانۃ الشعراء" میں ملے گی۔ یہ قصیدہ اس نے جرمنی شاعر "ہنرلیٹے ہائنی" کے طرز پر کہا۔ (۵) (بقیہ! آئندہ)

---

(۱) الادب العربی المعاصر فی مصر ص ۱۶۷

(۲) الادب العربی المعاصر فی مصر ص ۱۶۶

(۳) علی محمود طٰہٰ شعر و دراسہ ص ۱۰

(۴) الادب العربی المعاصر فی مصر ص ۱۶۶

(۵) ایضاً ص ۱۶۷

عہدِ مغلیہ یورپی سیاحوں کی نظر میں

قسط ۸

(۱۵۸۰ تا ۱۶۲۷ء)

ڈاکٹر محمد عمر، شعبۂ تاریخ، مسلم یونیورسٹی، علیگڑھ

کاٹھیاوار کے جنوبی مشرقی ساحل پر واقع مہتوا نامی مقام کے اس پاس وہ خشکی کے قریب ے تو وہاں انھیں اس بات سے آگاہ کیا گیا کہ یلا ایک جہاز راں کے وہ لوگ کیسے کھاڑی میں داخل نہ رں۔ اس تنبیہ کی پرواہ نہ کرتے ہوئے وہ جہاز نے کر سورت کے لئے روانہ ہوئے اور ۱۷ ستمبر ۱۶۰۹ء ران کا جہاز ریتیلے ایک کنارے سے ٹکرا گیا۔ اس کا پتوار کھو گیا اور بڑی ایک تباہی سے بچنے کے یے اس جہاز پر لنگر ڈال دیا گیا۔ دوسرے دن اس کا لنگر ٹوٹ گیا۔ مدوجذر نے پھر ایک بار انھیں م ٹھہرے مقام تک ڈھکیل دیا۔ اس میں بُری طرح سے سوراخ ہونے لگا۔ نتیجتاً ڈوبتا ہوا سمجھ کر نہوں نے اس جہاز کو چھوڑ دیا۔ ایک کشتی میں سوار ہوتے ہوئے جورڈین سمندر میں گر پڑا اور مرتے مرتے بچا۔ دو کر یزی کشتیوں میں سارے ملاحوں کو بھر دیا گیا۔ کسی طرح وہ لوگ براعظم تک پہونچنے میں کامیاب ہوئے۔ وہاں کے باشندوں نے شارپیگ اور اس کے ساتھیوں کے ساتھ مشفقانہ برتاؤ کیا۔ یہ سوچ کر کہ یہ تاپتی ندی تھی وہ لوگ غلطی سے امبیکا ندی میں گھس پڑے۔ ندی کے اوپری حصے میں جانے کے لئے ان کی راہ نمائی کی گئی۔ وہ لوگ خیر و عافیت سے ڈوڈوا دری قصبے تک پہونچ گئے۔ وہاں کے صوبہ دار نے بھی ان کا گرم جوشی سے خیر مقدم کیا۔ دو دن آرام کرنے کے بعد انہیں سورت بھیجدیا گیا۔ شہر کے ایک گماشتے کی حیثیت سے ولیم فنچ ان کا خیر مقدم کرنے کے لئے آیا۔

جورڈین نے سورت میں فنچ کے ساتھ تین ہفتے قیام کیا۔ جنوری ۱۶۱۱ء میں ہاکنس نے فنچ کو آگرہ بلا لیا۔ شہر میں بقیہ تجارتی مال فروخت کرنے کے لئے جورڈین کو وہاں چھوڑ دیا گیا۔ آگرہ سے اپنے اعلیٰ افسر (ہاکنس) کے بلانے پر وہ (۱۵ دسمبر ۱۶۱۰ء کو) سورت سے مغلیہ دارالخلافہ کے لئے وہاں سے روانہ ہوا۔ فروری ۱۶۱۱ء کو وہ وہاں پہونچا اور ۵ ماہ تک اس نے آگرہ میں قیام کیا۔ شارپیگ دوسرے

ڈاکٹر پنوں کے ساتھ آگرہ سے احمد آباد کے راستے سے ہو کر وہ سورت کے لئے روانہ ہوا۔ دسمبر [illegible] کے بعد میں مقرب خاں نے انہیں یہ خبر سنائی کہ مڈلٹن کا بحری جہازی بیڑہ سورت کے قریب آ چکا تھا۔ اس سے ایک خط اور اس کے مطابق ایک فوجی دستہ ساتھ لے کر وہ خیر و عافیت اور بڑے آرام سے اس شہر میں پہونچے (ستمبر ۸، ۱۶۱۱ء)۔

حالانکہ وہ سورت پہونچ چکے تھے لیکن وہ لوگ جہازی بیڑے تک نہ پہونچ سکے کیونکہ پرتگالیوں نے اس ندی کے دہانے کو بند کر دیا تھا۔

ماہ اکتوبر کے وسط میں ایک دن صبح پرتگالیوں سے زبردستی ہتھیانے ہوئے جنگی ایک جہاز کے ساتھ سمندری کنارے پر ایک انگریزی فوجی جنرل کھڑا تھا، پیچھے کے ایک ریتیلے ٹیلے سے ایک پگڑی کے کپڑے کے ہلائے جانے کی طرف اس کی توجہ مبذول ہوئی۔ کنارے کے لئے ایک کشتی بھیجی گئی۔ جیسے جیسے وہ کشتی ساحل کے نزدیک پہونچ رہی تھی ملاحوں نے ملکی لباس میں ایک یوروپی باشندے کو دیکھا جو اس مقام سے باہر نکل آیا تھا۔ جہاں وہ چھپا ہوا تھا اور ان سے ملنے کے لئے پانی میں چل رہا تھا وہ جورڈین تھا۔ مقامی ایک دلال کی مدد سے وہ پرتگالیوں کے پہرہ داروں کی گرفت سے بچ نکلنے میں کامیاب ہو گیا تھا، وہ ساحل پر پہنچا اور پیپر کورن نامی کشتی میں سوار کر کے اسے لایا گیا۔

مڈلٹن اور ڈاؤنٹن سے اس نے اپنے تمام تجربات بیان کئے اور انہیں ایک ایسے بندرگاہ کے بارے میں مطلع کیا جہاں جہاز صحیح و سالم ساحل تک جا سکتے تھے۔ یہ مشہور "سویلی ہول" نامی بندرگاہ تھا۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جورڈین دوبارہ سورت آیا تھا۔ دربار سے ہاکنس کے روانہ ہونے کے بعد مقرب خاں نے اسے مطلع کیا کہ وہ اپنا سارا سامان باندھ لے اور کچھ دے دلا کر خلاصی حاصل کر لے۔ لہٰذا وہ اور اس کے ملازمین نے شہر چھوڑ دیا اور جنگی ایک جہاز میں سوار ہو گئے۔ (۶ فروری ۱۶۱۲ء)

بعد میں اس نے مڈلٹن کا ساتھ چھوڑ دیا اور ڈالنگ نامی بحری جہاز میں مشرق کے لئے روانہ ہو گیا۔ یہاں المناک حالات میں اس نے وفات پائی۔ ۲ جون کو وہ پٹنی نامی بندرگاہ پر

رکا جو مالا نے جزیرہ نما میں مغربی ساحل پر تجارتی بڑا ایک مقام تھا۔ جوں ہی وہ آگے جانے کے لئے روانہ ہوا ولندیزیوں نے اس پر اچانک حملہ کر دیا۔ ۷ ار جولائی ۱۶۱۹ء میں بحری ایک جنگ وقوع پذیر ہوئی۔ دو گھنٹے مقابلہ کرنے کے بعد اسے اس بات کا یقین ہو گیا کہ مقابلہ کرنا بے سود ہے عارضی صلح کے لئے ایک جھنڈا پھرایا گیا اور جورڈین ولندیزی جہاز میں سوار ہو کر صلح کے بارے میں گفت و شنید کے لئے گیا۔ جوں ہی اس نے جہاز کے پلیٹ فارم پر قدم رکھا اور مجوزہ صلح کی شرطوں کے بارے میں بات چیت کر رہا تھا تو اس پر گولی کا وار کیا گیا۔ نتیجتاً اس زخم کی وجہ سے ایک گھنٹے کے بعد اس کی موت واقع ہو گئی۔ بہت سی بندوقیں داغ کر اور مذہبی رسوم کے ساتھ پٹنی میں اسے سپرد خاک کر دیا گیا۔

اس کے روز نامچے کا اصلی مسودہ دستیاب نہیں ہوتا ہے۔ سلوین کا قلمی نسخہ جس سے یہ بیانات ماخوذ ہیں معاصر ایک نسخہ ہے۔ بقیہ تحریر کے مقابلے اس کے ابتدائی چار صفحات کسی دوسرے خط سے لکھے ہوئے ہیں۔ فورسٹر کا خیال ہے کہ: "یہ بات بہت ممکن ہے کہ وہ نسخہ جو ہمارے پاس موجود ہے، یہ وہ نقل ہو جو اس کے لئے تیار کی گئی تھی جس زمانے میں (۱۶۱۷ء) وہ لندن میں تھا اور یہ کہ ایک دستاویز کی صورت میں وہ اسے وہاں چھوڑ آیا تھا اور ہندوستان واپس آنے کے موقع پر اصلی مسودہ اپنے ساتھ لیتا آیا ہو۔ سر ہنس سلوین نے یہ مسودہ حاصل کر لیا ہو۔ اس وقت یہ نسخہ برٹش میوزیم کی تحویل میں ہے۔ چونکہ یہ نقل لا پرواہی سے تیار کی گئی تھی۔ اس لئے کثرت سے غلطیاں پائی جاتی ہیں بالخصوص مقامات کے ناموں میں۔

ہکلیوٹ سوسائٹی سیریز میں فورسٹر نے جورڈین کے تذکرہ کو تدوین کیا ہے۔ ذیل مضمون میں مندرجہ تمام حوالے اس سے ماخوذ ہیں۔

تجارتی راستے

جورڈین نے دو تجارتی راستوں کا ذکر کیا ہے، ایک سورت سے برہانپور ہوتے ہو آگرہ تک، اور دوسرا احمد آباد سے ہوتا ہوا آگرہ سے کمبیات تک جاتا ہے۔

برہانپور سے ہوتا ہوا سورت سے آگرہ کا راستہ: سورت، کھمباریہ، موٹا

ویرا، کورکا، نوائی پور، ڈیتا، بڈوبہ، نندربار، لنگل، سنکیری، تلیز، چوپرہ، راودی، بیولے
ردر، بدرپور، برہانپور، اسیر، مگرگنگا، کرگنج، بیکل، اکبرپور، منڈو، کونے، میر، دھول پور، اجین
کنوسٹیا، سیرہ، پیپل گاؤں، سرمپور (سرنپور)، ککرہ، دلوت، براؤ، سکیرہ، سارنج (سرونج)
کوجنارک سریا، سزدورا، کل باغ، گوالیار، چھپری، نروار، گولیکا، اوترو، منڈبار، دھولپور،
جبرو، آگرہ۔

اجمیر ہوتے ہوئے آگرہ سے کمبیات کا راستہ؛

آگرہ، کرولی، فتح پور سیکری، پریما بودہ، سکندہ، ہنڈون، للسی، جمپھتہ، چورسی، لدھیانہ (لدانا)، مزبان، رستبل، اجمیر، کروی، امرتھا، برگی، ہنڈولہ، جودھپور، دتارہ، ٹنڈک کنڈک، امبرنیہ، گلبرد، انگی بر، مرگی، بیروال، گندوی، کورگا، سرند، بونوپ، سرم پور، سراپور سیتی، اسکولکپور، ہوگی پور، احمد آباد۔

(۲) وہ شہر جہاں وہ گیا

کرود، داتا اور ویرا؛

کرود ایک قصبہ تھا جہاں تقریباً دو سو راجپوت گھوڑ سواروں کا حفاظتی ایک دستہ تعینات تھا۔ پہاڑ کی ایک چوٹی پر یہاں ایک قلعہ تھا۔ اس کے چاروں طرف پانی بھرا ہوا تھا۔ ویرا "خوبصورت ایک قصبہ تھا" جس کے زیادہ تر باشندے مزدوری کا پیشہ کرتے تھے۔ یہاں بھی ایک قلعہ تھا۔ دتیا پر پرتاپ سنگھ کا قبضہ تھا۔ یہ قصبہ زرخیز علاقے میں واقع تھا۔ بڑی ایک مقدار میں یہاں بفتہ تیار کیا جاتا تھا اور دوسری ہر قسم کی دستکاری کے کام ہوتے تھے۔

بھدور، یاول اور بہادر پور؛

بھدور مستحکم ایک شہر تھا جس کے اردگرد ایک فصیل تھی۔ جوڈین کا بیان ہے کہ "یہاں عمدہ قسم کا کپڑا بناجاتا تھا جیسے برمی، سری باف، یاول ایک ایسا مقام تھا جہاں ہر قسم کی چھینٹیں زم زم

ر بند بنائے جاتے تھے۔ بہادر پور بڑا ایک شہر تھا جو گنجان آباد تھا۔ اس کی تجارتی چیزوں میں
ہی چھینٹیں اور دوسرے قسم کے کپڑے شامل تھے۔

برہانپور:

۶ رجنوری ۱۶۱۱ء میں جورڈین برہانپور پہونچا۔ دکن پر حملہ کرنے کے لئے اس وقت وہاں
سواروں کی بڑی ایک فوج جمع تھی جس کی تعداد دو لاکھ تھی۔ قلعہ میں شہزادہ پرویز ٹھہرا ہوا
شہر کے آس پاس کے کھلے اور خوشگوار میدانوں میں فوج خیمہ زن تھی۔ اس نے لکھا ہے کہ
ڑی تعداد میں لوگوں کی یہاں آمد و رفت کی وجہ سے یہ شہر وبا سے خالی نہ تھا؛ مغل فوج کے
امتی کے بارے میں اس نے لکھا ہے کہ: "ہم پڑاؤ میں اس طرح سلامتی سے قیام پذیر تھے
یسے کہ ہم اپنے گھروں میں رہتے تھے۔ میں نے اس سے عمدہ نظم و نسق نہیں دیکھا تھا۔ جیسا کہ پڑاؤ میں
ما اور ہر قسم کی چیزیں بکثرت موجود تھیں"۔ برہانپور میں عمدہ پگڑیاں، سنہری اور ریشمی کمر بند
مینٹیں، بیرامی اور سری باف وغیرہ کے کپڑے بنے جاتے تھے۔

اکبر پور:

دریا کے کنارے واقع خوبصورت ایک شہر تھا۔ یہ قصبہ ایسا تھا کہ وہاں حفاظتی دستے
تعینات تھے اور" پڑاؤ" میں مقیم کوئی شخص گورنر کی اجازت کے بنا وہاں سے نہیں گذر سکتا تھا۔
اور شہزادہ پرویز کی اجازت کے بنا کوئی آگرہ نہیں جا سکتا تھا۔

منڈو:

یہ ویران اور برباد ایک شہر تھا۔ اس سیاح کے اندازے کے مطابق جنوب سے شمالی
دروازے تک اس کا طول چھ میل تھا اور لوگوں کے کہنے کے مطابق مشرق سے مغرب کی
سمت بیس کوس تھا یعنی ۲۵ میلوں کے برابر تھا۔ اس شہر کے چاروں طرف اینٹوں کی چار دیواری
تھی، وہاں اس نے دو مسجدیں بھی دیکھی تھیں۔ وہاں چار بادشاہ مدفون تھے۔ ان کی قبریں قیمتی

مدہ پتھروں کی بنی ہوئی تھیں جن میں انھیں دفن کیا گیا تھا۔ ان مسجدوں میں سے ایک مسجد کے
ور پر شکوہ ایک مینار تھا جس میں چڑھنے کے لئے ستر سیڑھیاں تھیں۔ یہ مینار گول بنا ہوا تھا
س میں عجیب و غریب طرح کی بنی ہوئی بہت سی کھڑکیاں تھیں، یہ چھ منزلہ تھا اور ہر ایک منزلہ
ں لوگوں کی رہائش کے لئے کمرے بنائے گئے تھے، سنگ مرمر کے قسم کے وہ مینارے ہرے پتھروں
ے بنا ہوا تھا۔ شہر کی مشرقی سمت میں چراگاہیں اور سبزہ زار پھیلے ہوئے تھے۔ شہر نو میں پتھر
ے بنی ہوئی بہت سی سرائیں تھیں، وہاں مسافر قیام کرتے تھے۔ شہر کے بیشتر باشندے ہندو تھے۔

سارنگ پور اور سرونج :

سارنگ پور بڑا ایک شہر تھا، اس میں ایک قلعہ واقع تھا پارچہ بافی وہاں کی مخصوص صنعت
ی۔ سرونج بھی بڑا ایک شہر تھا۔ وہاں کی ایک پہاڑی کی چوٹی پر ایک قلعہ تھا۔ تجارتی خاص
شیاء میں عمدہ چھینٹ اور سنہری ریشمی پٹکے (کمر بند) کا شمار ہوتا تھا۔ ان کی قیمت دو سو سے
پانچ سو محمودی سکّے تک ہوتی تھی۔

گوالیار :

گوالیار اچھا خاصا ایک شہر تھا، وہاں ایک مضبوط قلعہ تھا۔ اس قلعہ کے دروازے پر عجیب
غریب ساخت کا پتھر کا بنا ہوا ہاتھی کا ایک مجسمہ نصب تھا۔ قلعے کے اندر بادشاہ کا محل تھا
س کی دیواریں ہرے اور نیلے پتھروں کی بنی ہوئی تھیں اور بہت سے میناروں پر سونے کے ملمع کاری
کام تھا۔ حکومت کے غداروں کو وہاں مقید رکھا جاتا تھا۔ جنہیں وہاں ایک مرتبہ مقید کر دیا
نا تھا انھیں وہاں سے باہر آنے کی بہت کم امید ہوتی تھی۔

آگرہ :

دنیا کے سب سے بڑے شہروں میں اس کا شمار ہوتا تھا۔ دریا کے کنارے کنارے یہ شہر ۱۲
یل کی دوری تک آباد تھا۔ یہاں امیروں کی بہت سی شاندار عمارتیں اور بہت سی اچھی سرائیں تھیں۔